Vol.4 No.4 2021

ISSN Online: 2709-7625

ISSN Print: 2709-7617

داستانیں اور حیوانات از ڈاکٹر سعید احمد: ایک مطالعہ

A STUDY OF TALES AND BESTIALS BY DR. SAEED AHMAD

***Matloob Hussain, **Muhammad Saleem Abbas**

ABSTRACT:

Saeed Ahmed is one of the most serious researchers and unbiased critics of Urdu literature. His writings reflect the same sophistication and authenticity that characterizes his personality. From English literature to the scientific sciences, he has expert access to poetry, prose, vocabulary and linguistics. To whom his soft lips and accent has given a certificate of communication and understanding. Those who sit next to him and listen to his subtle conversations are well aware of the fact that they dress up the most difficult talk and the subject matter in such a simple and fluent manner that the reader and listener reaches the basis and spirit of the subject under discussion.

Keywords:

Researchers, Urdu literature, sophistication, poetry, prose, linguistics, simple and fluent.

سعید احمد کا شمار اردو ادب کے سنجیدہ مزاج محققین اور بے لاگ ناقدین میں ہوتا ہے۔ ان کی تحریروں میں وہی نفاست و صداقت نظر آتی ہے جو ان کی شخصیت کا طرۂ امتیاز ہے ۔انگریزی ادبیات سے لے کر سائنسی علوم تک، شاعری، نثر، لفظیات و لسانیات پر انھیں ماہرانہ دسترس حاصل ہے جسے ان کے دھیمے لہجے نے ابلاغی و تفہیمی سند عطا کی ہے۔ ان کے پاس بیٹھنے اور ان کی لطیف گفتگو سننے والے اس امر سے بخوبی آگاہ ہیں کہ وہ مشکل سے مشکل بات اور موضوع کو اس طرح سادگی و سلاست اور روانی سے ادائے مطلب کا جامہ پہناتے ہیں کہ قاری و سامع زیر بحث موضوع کی اساس اور روح تک پہنچ جاتا ہے۔

محل نظر کتاب "داستانیں اور حیوانات" دراصل ان کا سندی نوعیت کا کام ہے جسے فاضل محقق نے پانچ ابواب میں تقسیم کیا ہے لیکن ہر باب حسن ترتیب اور ادائے مطلب کے حوالے سے مکمل اور جامع ہے۔ جو ان کی تنقیدی و محققانہ ہنر مندی پر دلالت ہے۔

اگر اس کتاب کے مختلف ابواب کی داخلی دنیا میں جھانک کر دیکھا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ باب اول: "داستانوں کی علامتی معنویت" کا احاطہ کرتا ہے۔ جس میں داستان کی تعریف، اس کے لغوی و اصطلاحی معنی اور اس کی اقسام کو خاصی تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ اس تناظر میں نقل، حکایت، حیوانی کہانیاں، اخلاقی کہانیاں، تمثیل ، اساطیر، قصص المشاہیر، رزمیہ لوک کہانیاں، مارکین، رومان اور جاتک کہانیوں کا ذکر کرتے ہوے انہیں داستانی ادب کی شاخیں بتا کر ان کی تفہیم و تشریح کی گئی ہے۔ یہ باب داستان کی صنف اور اس کی مختلف صورتوں کو سمجھنے کے لیے خوبصورت کوشش کہا جاسکتا ہے۔ داستانوں کے حوالے سے فاضل مصنف کی رائے ملاحظہ کیجیے:

*Lecturer, Department of Urdu, Govt. Post Graduate College, Sahiwal

**M.Phil Scholar, Department of Urdu, G.C. University, Faisalabad

Vol.4 No.4 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

"ہمارا قدیم ادب بالعموم اور داستانیں بالخصوص ہمارے اجتماعی خوابوں، نخست مثالی پیکروں اور آفاقی اعیان کی آئینہ دار ہیں۔ان داستانوں میں قدیم دانش و حکمت کے موتی بکھرے پڑے ہیں۔ان جواہر ریزوں کے حصول کے لیے ہمیں داستان کی کچھ گہری سطحوں کا بغور مطالعہ کرنا ہو گا۔داستانیں کل بھی ہمارے لیے دلچسپی کا موجب تھیں اور آج بھی ہماری دلجوئی کر سکتی ہیں۔بلکہ آج کے قاری کو داستانوں کی زیادہ ضرورت ہے۔دور جدید کے اکثر لکھنے والوں نے سماجی حقیقت نگاری اور واقعیت نگاری کے نام پر جو ادب تخلیق کیا ہے اس نے قاری کی روح اور قلب و ذہن کو بری طرح گھائل کر دیا ہے۔اس ہولناک سنجیدگی اور معاشرتی جبر سے امان صرف داستان ہی کے دامن پناہ میں مل سکتی ہے۔داستانوں کا وجود ان نخلستانوں کا سا ہے جہاں باد سموم کے تھپیڑے کھانے والے آبلہ پا اور تشنہ لب مسافر نہ صرف سایہ دار درختوں تلے آرام پاتے ہیں بلکہ ٹھنڈے اور میٹھے چشموں اور رسیلے پھلوں سے اپنی بھوک پیاس مٹاتے ہیں اور سب سے بڑھ کر ان داستانوں میں ہماری جنت گم گشتہ کی علامات موجود ہیں۔"(۱)

اردو کا افسانوی ادب ایک سے بڑھ کر ایک کہانی کار اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔اس میں پریم چند جیسے حقیقت نگار بھی موجود ہیں تو بیدی جیسے اساطیری رنگ کے شیدائی بھی، یہاں منٹو کی جنسی فضا بھی دیکھی جا سکتی تو غلام عباس کی سادگی و سلاست سے بیان کیے گئے افسانوں میں انسانی رویوں کے تضادات بھی۔اسی طرح اس افسانوی دنیا میں کہیں تجریدیت کا وجود جھلکتا ہے تو کہیں انتظار حسین کی علامتی دنیا بسی ہوئی ہے۔اردو افسانے کے اس دیس میں انتظار حسین کا کمال یہ ہے کہ وہ افسانے جیسی صنف سخن جس کی بنیاد ہی حقیقت پسندی پر ہے، میں بھی ایسی داستانی و علامتی فضا تشکیل دینا جانتے ہیں جو قاری پر نئے اور ان دیکھے جہانوں کے در وا کر دیتی ہے۔حامد رضا صدیقی کے بقول:

"انتظار حسین اپنے افسانوں میں روحانی اور تہذیبی زندگی کو ہر سطح پر ہر دور میں علامتوں کے بھیدوں میں اظہار کرتے ہیں۔کہیں ان کی علامتیں مذہبی حکایتوں سے ابھرتی ہیں، کہیں تہذیب و ثقافت کے کردار ان کی علامت بنتے ہیں اور کہیں دیومالا، اساطیر اور داستانوں کے کردار ہمیں ہمارے دور کی کتھا سناتے نظر آتے ہیں۔گو انتظار حسین کا بنیادی تنازع ہجرت کے کرب سے آنچ لے کر داخلیت کی علامتیں بنانا ہے۔"(۲)

سعید احمد کو بھی انتظار حسین کے افسانوں کے اس غالب رجحان کا بخوبی اندازہ ہے لہذا وہ جب ان کے افسانوں پر بات کرتے ہیں تو ان کی علامتی خوبی یا پیچان کو ان کی تحریر کا مرکزی نکتہ سمجھتے ہوئے اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہیں۔

"اردو میں جدید علامتی افسانے کے پیش رو انتظار حسین نے قدیم داستانی علامتوں سے دل بستگی اور ان کے فنکارانہ استعمال کا ثبوت بہم پہنچایا ہے۔انتظار حسین کی علامتیں بھرپور معنویت کی حامل تہہ در تہہ اور گہری ہوتی ہیں۔بعض ناقدین نے انتظار حسین کی داستانوں سے محبت، علامت پسندی اور ماضی آفرینی کو نا سٹلجیا قرار دیا ہے۔جدید ادب میں انتظار حسین وہ واحد ادیب ہیں جنہوں نے علامتوں کے زوال کا مرثیہ کہا ہے۔"(۳)

دوسرا باب:"عالمی ادب میں حیوانات کا ذکر" کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔جس میں آدمی اور جانور میں فرق اور لفظ حیوان کی تفہیم پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے، جسے قرآن مجید، پرانا اور نیا عہد نامہ اور غزل الغزلات کے حوالہ جات سے مزین کیا گیا ہے۔ صنف کی موضوع مطالعہ سے وابستگی اور دلچسپی کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ انہوں نے عربی، فارسی، یونانی، انگریزی، ہندوستانی اور چینی ادب میں موجود داستانوں اور ان میں حیوانات کی معنویت کا اچھا اجمالی جائزہ پیش کیا ہے۔جسے ان داستانوں کے اقتباسات کے بر محل استعمال نے وسعت مطالعہ کی سند سے نوازا ہے۔سعید احمد کے بقول:

Vol.4 No.4 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

"حالی نے آدمی کو جانور اور فرشتے کے مابین بتایا ہے۔ آدمی اپنی سرشت میں نہ جانور ہے اور نہ فرشتہ۔ یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے لیکن اپنی بے چین فطرت اور سیمابی طبیعت کے باعث وہ کبھی جانوروں سے بدتر اور کبھی فرشتوں سے برتر ثابت ہوتا ہے۔ اگر انسان کی روحانی بلند پروازی کے آگے فرشتوں کے پر جلتے ہیں، تو انسان کی اخلاقی پستی پر شیطان بھی انگشت بدنداں ہو جاتا ہے۔ اگر ایک طرف وہ سدرہ المنتہیٰ سے بھی آگے قاب قوسین او ادنیٰ کی منزل تک جا پہنچتا ہے تو دوسری جانب تحت الثریٰ سے بھی نیچے جا گرتا ہے۔"(۴)

متذکرہ مصنف کا عالمی ادب کا مطالعہ اس بات کا غماز ہے کہ وہ دیگر زبانوں کے ادب سے نہ صرف خصوصی شغف رکھتے ہیں بلکہ انہوں نے بہت سی زبانوں کی ادبیات کو بھی بغور پڑھ رکھا ہے۔ "عالمی ادب میں حیوانی کہانیاں" کے حصہ "ج" بعنوان "عربی ادب" کی تمہیدی گفتگو سے اس تناظر میں چند جملے ملاحظہ کیجیے:

"قصے کہانی کا فن ہر قوم میں ملتا ہے۔ اقوام کی ادبی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ دیگر فنون کے ساتھ ساتھ داستان گوئی کا فن بھی ترقی کرتا گیا۔ چنانچہ ہندوستانی، ایرانی، یونانی اور رومی سبھی قوموں کے ادب میں شہرہ آفاق کہانیاں ملتی ہیں۔ ان میں بعض کہانیاں اتنی مقبول ہوئیں کہ ان کو ادب میں مرکزی اہمیت حاصل ہو گئی جو اب تک پسندیدگی کی نظر سے دیکھی جاتی ہیں۔ ان اقوام میں جو قوم ذہنی اور تخیلی اعتبار سے جتنی بلند تھی، اسی لحاظ سے ان کے قصے کہانیاں بلند، پر اثر، دلچسپ اور فنی اعتبار سے معیاری ہیں۔ عربوں کا شمار بھی دنیا کی قدیم اقوام میں ہوتا ہے۔ عربوں نے زندگی کے جو مختلف نشیب و فراز دیکھے ہیں اور ان سے جو تجربات حاصل کیے ہیں انہیں نظم و نثر میں خوب صورتی سے بیان کیا ہے۔ عربوں کے یہاں اصنافِ نثر میں سے قصہ کہانی کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ جاہلی زمانے میں لوگ دن بھر کام کاج سے فارغ ہو کر رات کو جمع ہو کر گپ شپ کرتے اور قصے سناتے۔"(۵)

جناب مصنف عربی ادب میں حیوانات کا ذکر کے حوالے سے بات کرتے ہوئے اس کے آغاز کا کھوج لگا کر اپنی بات کو معتبر بنانے کے ساتھ زیر نظر موضوع میں اپنی دلچسپی کی بھی عکاسی کرتے ہیں۔ وہ عربی کی ان داستانوں کا ذکر بھی لازم سمجھتے ہیں جن میں حیوانات کو کسی نہ کسی طرح کلیدی اور کرداری حیثیت حاصل ہے۔ ان کے خیال میں حکایات، داستانی مزاج اور اس کی روایت کی ابتدا عربوں نے ایرانی ادب سے اخذ و قبول کی ہے لیکن عربی داستانیں اپنے موضوعاتی و تکنیکی اعتبار سے اہل فارس سے سبقت لیتی نظر آتی ہیں۔

"قدیم عربی ادب میں حیوانات کی کہانیاں زیادہ نہیں ہیں، عربی ادب میں کہانیاں لکھنے کا فن عباسی عہد میں ترقی کرتا ہے۔ اس عہد میں رنگ برنگی کہانیاں بیان کی جانے لگیں جن میں حیوانات کا ذکر کثرت سے ملتا ہے۔ حکایات کا فن عربوں نے ایران سے سیکھا۔ سعدی کی گلستان اور الف لیلہ حکایات کا بہترین مواد تھیں۔ چنانچہ ایرانیوں سے سیکھ کر عربوں نے ان میں قابل قدر ترقی کی الف لیلہ و لیلہ اس فن کا بہترین شہکار ہے۔"(۶)

تمثیلی و حیوانی کہانیوں اور شاعری کے باب میں مغربی ادب بھی بھرپور گنجائش رکھتا ہے کہ اسے زیر بحث لایا جائے۔ سعید احمد نے موضوع مقالہ کی تلاش میں انگریزی ادبیات کو بھی اچھی طرح گھنگھالا ہے۔ انہوں نے نہ صرف انگریزی زبان کے مختلف شعرا و ادبا کا اس حوالے سے ذکر کیا ہے بلکہ بہت سی تصنیفات، اس میں پائے جانے والے حیوان اور ان کی داستان میں اہمیت کو بھی اپنی تحریر کا حصہ بناتے ہوئے سندی مقالے جیسی سنجیدہ تحریر کو رنگینی عطا کر دی ہے۔ یوں یہ مقالہ ایک طرف معیاری تحقیق کا درجہ رکھتا ہے تو دوسری طرف اسے داستانوں کا انسائیکلوپیڈیا بھی کہا جانا بے معنی نہ ہو گا:

"تمثیلی کہانیوں اور حیوانی نظموں کے لحاظ سے انگریزی ادب خاصا متمول نظر آتا ہے۔ مقدار اور معیار، دونوں حیثیتوں سے انگریزی ادب میں بلند پایہ اور رنگا رنگ حکایات موجود ہیں۔ چوسر ۱۳۴۰ء) (۱۴۰۰ء کی نظم (Parliament of Foulst)

Vol.4 No.4 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

تمثیل کا ایک عمدہ نمونہ پیش کرتی ہے۔اس نظم میں محبت اور رشتہ ازدواج کے اہم مسئلہ پر پرندوں کے درمیان مباحثہ پیش کیا گیاہے۔Tales Canterburyکاسب سے مشہور قصہ Preste Tale Nun,s ہے۔یہ چانٹکلیر Chauntecleerنامی ایک مرغ کا قصہ ہے جو اپنی مرغیوں کے درمیان دکھایا جاتا ہے۔"(۷)

چینی ادب کا مطالعہ زبان کے اعتبار سے اتنا آسان عمل نہیں ہے جب تک کہ کوئی محقق اپنی تحقیق کا حق ادا کرنے کا جوش اور ولولہ نہ رکھتا ہو۔کون نہیں چاہتا کہ وہ اپنی منزل کو آسانی سے پالے ؟لیکن جو لوگ حقائق کی تلاش کا خداداد ملکہ رکھتے ہوں ان کی نظر میں راستے کی دشواریاں کچھ اہمیت نہیں رکھتیں بلکہ وہ آتش کے بقول:

تھکیں جو پاؤں تو چل سر کے بل ، نہ ٹھیر آتش
گل مراد ہے منزل میں،خار راہ میں ہے(۸)

کے مصداق سر گاڑی اور پاؤں پہیہ کرتے ہوئے اپنے کام میں یوں لگے رہتے ہیں جیسے اس مشقت کے نتیجے میں انہیں شیریں کا وصال نصیب ہو گا۔سعید احمد بھی ایسے ہی سچے اور کھرے پارکھ، محقق اور منزل کے متلاشی کے طور پر اپنا لوہا منوانا جانتے ہیں جو خار راہ کو خاطر میں لائے بنا اپنی مسافت جاری رکھنے پر ایمان رکھتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ وہ چینی ادبیات میں حیوانات سے متعلقہ کہانیوں اور دیگر چینی داستانوں میں جانورستان کو بڑی باریک بینی اور عددی جزئیات کے ساتھ موضوع بحث بناتے ہوئے خود کو ایک مستند محقق ثابت کروانے میں کامیاب ٹھہرے ہیں۔

"چینی ادب میں حیوانی کہانیوں کا بیش بہا ذخیرہ موجود ہے۔پھو سونگ لینگ(۱۷۱۵-۱۶۴۰ء)کی تخلیق "لیاؤ چائی کی کہانیاں"کا شمار چین کے ادب عالیہ میں ہوتا ہے۔مجموعی طور پر چار سو اکتیس کہانیاں آٹھ جلدوں میں منقسم ہیں۔سخت ترین سنسر شپ کے اس دور میں مصنف کے لیے ممکن نہ تھا کہ چھینگ حکومت،بدعنوان حاکموں اور دوسری ناانصافیوں سے برملا نفرت کا اظہار کرتا،لہذا اس نے لومڑیوں، بھوتوں،روحوں اور مافوق البشر ہستیوں کو انسانی روپ دے کر کہانیوں میں پیش کیا۔"(۹)

زیر نظر کتاب میں ہمیں بعض ایسے دلچسپ حقائق بھی پڑھنے کو ملتے ہیں جو اگرچہ مبنی بر حقیقت تو ہوں گے لیکن ان کا تار و پود ایسی ہنر کاری سے بنا گیا ہے کہ جس سے حقائق میں ایک افسانوی تجسس پیدا ہو گیا ہے۔

"دنیا کی بیشتر کہانیوں میں انسان کو اشرف المخلوقات کا درجہ حاصل ہے۔کہانیوں کی ایک بڑی تعداد ایسی ہے جن میں حیوانات انسان کو دانش و حکمت کا درس دیتے ہیں۔چند کہانیوں میں انسانوں اور حیوانوں کے مناظرے کی کیفیت ملتی ہے اور کچھ کہانیاں ایسی ہیں جن میں انسان اور حیوان کا موازنہ نہایت دلچسپ اور فکر انگیز صورت اختیار کر لیتا ہے،جیسے اسرائیل کی ایک کہانی ولی یا گھوڑا۔"(۱۰)

متذکرہ کتاب کا تیسرا باب "فورٹ ولیم کالج کی داستانوں کے مآخذ" کے عنوان سے ہے۔اس میں فورٹ ولیم کالج کے قیام کے اسباب اس کے اغراض و مقاصد،اس کا پس منظری مطالعہ،ڈاکٹر جان بار تھوک گل کرسٹ کی علمی و ادبی لیاقت کہ جس کے سبب جناب پروفیسر سعید احمد نے اسے صحیح معنوں میں فورٹ ولیم کالج کے روح رواں اور کالج کے کارپردازوں اور منشیوں کے جھرمٹ میں ستاروں میں چمکتے ہوئے چاند کی مانند قرار دیا ہے،میر امن دہلوی،حیدر بخش حیدری،میر بہادر علی حسینی،مظہر علی ولا،میر شیر علی افسوس،میرزا کاظم علی جوان، خلیل علی خاں اشک، شیخ حفیظ الدین احمد،نہال چند لاہوری،للولال کوی،بینی نرائن جہاں اور مولوی اکرام علی کی حیات و تالیفات کا اس انداز میں تجزیہ پیش کیا گیا ہے کہ کسی قسم کی تشنگی کا احساس باقی نہیں رہتا۔جناب پروفیسر نے ایک مستند محقق کا ثبوت دیتے ہوے اس باب میں تاریخ کی بعض کتب کی پیدا کردہ غلط فہمیوں کو بھی رفع کیا ہے جیسے پروفیسر محمود بریلوی اور رام بابو سکسینہ، گل کرسٹ کو فورٹ ولیم کالج کا سربراہ لکھتے ہیں تو ڈاکٹر اعجاز حسین نے انہیں منتظم اعلیٰ کہا ہے،اسی طرح

Vol.4 No.4 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

حامد حسن قادری گل کرسٹ کو کالج کا پہلا پرنسپل کہتے ہوے ایک تاریخی مغالطے کو جنم دیتے ہیں:

"ڈاکٹر گل کرائسٹ اس کالج کے پرنسپل مقرر ہوئے۔"(۱۱)

پروفیسر سعید احمد نے محولہ بالا بیانات کو ٹھوس دلائل سے رد کرتے ہوے یہ واضح کیا ہے کہ

"فورٹ ولیم کالج میں گل کرائسٹ کی حیثیت صرف ہندوستانی پروفیسر کی تھی اور کالج سے مستعفیٰ ہونے تک وہ اسی عہدے پر مامور رہا۔"(۱۲)

کسی بھی تحریر میں برتا جانے والا مواد پابند اور آزاد موٹف پر مشتمل ہوتا ہے۔ پابند موٹف سے مراد ہے کہ ایسا مواد جس کے بغیر بات بے معنی ہو کر رہ جائے اور آزاد موٹف کے معنی تحریر کے ایسے ٹکڑوں کے ہیں جو تحریر کا حسن اور معنی میں تو اپنا حصہ ضرور ڈالیں لیکن ان کے بنا بھی عبارت اپنا مطلب ادا کر سکے۔ سعید احمد کی تحریر دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ہر امر کو جزئیات کے ساتھ بیان کرنے پر ایمان رکھتے ہیں تاکہ تحریر پڑھنے والے کو ہر طرح کی تشنگی سے دور رکھا جائے لیکن اس پر ان کا کمال یہ ہے کہ ان کی جزئیات نگاری میں بھی وہ ربط و ضبط موجود ہے کہ ہر جز اپنی الگ حیثیت میں پابند موٹف معلوم ہوتا ہے کہ جیسے اس کو تحریر سے نکالنے سے ایک بڑا خزانہ ہاتھ سے نکلنے کا خدشہ ہو۔ ان کی کتاب کے تیسرے باب سے اس حوالے سے ایک ٹکڑا ملاحظہ کیجیے :

"حیدری کے آباؤ اجداد نجف اشرف سے ہندوستان آئے، دہلی میں سکونت اختیار کی ان کے والد کا نام سید ابوالحسن نجفی ہے۔ معاش سے پریشان ہو کر ان کے والد لالہ سکھدیو رائے کے ساتھ دہلی سے بنارس چلے گئے اور وہیں رہنے لگے۔ بنارس میں نواب علی ابراہیم خاں خلیل (مصنف تذکرہ گلزار ابراہیم) عدالت کے جج تھے۔ حیدری کی تعلیم و تربیت نواب صاحب کی صحبت میں ہوئی جب فورٹ ولیم کالج کا افتتاح ہوا اور وہاں ہندوستانی منشیوں کی ضرورت ہوئی تو حیدری نے اردو میں قصہ مہر و ماہ لکھا اور اس کو لے کر کلکتہ پہنچے۔ ڈاکٹر گل کرسٹ کے سامنے اپنی تصنیف پیش کی انہوں نے بہت پسند کی اور حیدری کو ملازم رکھ لیا۔"(۱۳)

اس حوالے سے ایک اور مثال ذیل میں پیش کی جا رہی ہے کہ جس میں مقالہ نگار نے فورٹ ولیم کالج کے زیر اثر لکھی گئی داستان باغ و بہار کو موضوع بناتے ہوئے اس داستان کے مختلف ماخذات پر بڑی مدلل اور جزئیات نگاری کے ساتھ گفتگو کی ہے۔ اس طرح ایک طرف انہوں نے کتاب پڑھنے والوں کی معلومات میں اضافی کیا ہے تو ساتھ ہی بعض ادبی غلط فہمیوں کو بھی رفع کیا ہے۔

"میر امن نے نہ صرف تحسین کی نوطرزِ مرصع کو پیشِ نظر رکھا بلکہ کسی فارسی نسخے سے بھی یقیناً استفادہ کیا ہے۔ قصہ چہار درویش کے اردو ترجموں میں سے ایک اہم نسخہ محمد غوث زریں کا ہے۔ محمد غوث زریں نے متن کی ابتدا میں اس کتاب کا نام باغ و بہار ہی رکھا ہے لیکن بازاری ناشرین اور کم سواد کاتبین نے محمد غوث زریں کو محمد عوض زریں بنا دیا اور زرین تخلص کو عطا حسین کے لقب زرین رقم سے خلط مبحث کر کے محمد غوث کی باغ و بہار کو بھی نوطرزِ مرصع قرار دے دیا۔"(۱۴)

اسی طرح جب وہ حیدر بخش حیدری کی توتا کہانی کا ذکر کرتے ہیں تو لفظی و معلوماتی جمالیات سے سماں ہی باندھ دیتے ہیں:

"فورٹ ولیم کالج کی داستانوں میں قصے کی دلچسپی اور زبان کی چاشنی کے لحاظ سے میر امن کی باغ و بہار کے بعد حیدر بخش حیدری کی توتا کہانی کو قبول عام حاصل ہوا۔ توتا کہانی ایک سنسکرت الاصل مختصر داستان ہے۔ جس کا سلسلہ "شک سپ تتی" (یعنی توتے کی کہی ہوئی ستر کہانیاں) تک پہنچتا ہے۔ سنسکرت میں اس کے دو نسخے بہت مشہور ہیں۔ ان میں سے پہلا نسخہ چنتامنی بھٹ کا ہے اور دوسرا سوتیامبر جین کا۔"(۱۵)

"اردو داستانوں میں حیوانات کی علامتی حیثیت" باب چہارم کا سرنامہ ہے۔ جس میں مختصر حیوانی کہانیوں کو زیر بحث لایا گیا ہے جس کا دائرہ کار، قدیم مصر کی حیوانی کہانیوں، سومیری

Vol.4 No.4 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

ادب،ایسپ کی حیوانی کہانیوں،ہفت گلشن،نقلیات ہندی اور اخلاق ہندی تک پھیلا ہوا ہے۔وہ حیوانی کہانیوں کے آغاز کے حوالے سے اظہار خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"حیوانی کہانیوں کا سراغ سب سے پہلے قدیم مصری تہذیب میں ملتا ہے۔مصر میں بعض جانوروں کو دیوتا مان کر ان کی پرستش کی جاتی تھی۔شیر اور چوہے کی مشہور کہانی ایک پیپرس پر لکھی ملتی ہے۔یہ کہانی ۱۳۰۰-۱۱۶۶ق م کے دوران میں لکھی گئی۔"(۱۶)

کسی ایک زبان کے موضوع پر تحقیق اور بین المتون پر کیا گیا کام دو مختلف طرح کی مہارتوں،لگن اور استعداد کا تقاضا کرتا ہے۔بقول گیان چند جین "محقق کے لیے دیگر زبانوں کا بنیادی علم ہونا بھی ضروری ہے۔"(۱۷) تبھی وہ اس میدان میں اپنی پہچان بنا اور تحقیقی دنیا میں کچھ نیا کر سکتا ہے ورنہ وہی مکھی پر مکھی مارنے کا عمل جاری رہے گا۔سعید احمد کی تحریر اس بات کا منہ بولتا ثبوت ہے کہ انہیں اردو کے علاوہ دیگر زبانوں اور علوم پر بھی دسترس حاصل ہے۔جیسے وہ حکایات کے آغاز و ارتقاء پر بات کرتے ہیں تو کئی نئی گتھیاں سلجھاتے نظر آتے ہیں جو اسی صورت ممکن نظر آتا ہے کہ انہیں اردو سے ہٹ کے دیگر زبانوں کے بارے بھی ادراک ہے۔محولہ بالا گفتگو کے تناظر میں فاضل مصنف کی ایک عبارت دیکھیے جو ان کے صاحب مطالعہ ہونے کا صاف صاف اعلان کرتی ہے:

"۱۹۱۲ء ہی میں لندن سے گورڈن ہوم (GordonHome) نے "Aesop,s Fables" شائع کی اور اس پر ایک بھرپور مقدمہ لکھا۔گورڈن نے اس مجموعے میں ایک سو اٹھائیس حکایات جمع کی ہیں۔گورڈن کی زبان سلیس اور بامحاورہ ہے۔ان حکایات دل پذیر کے ساتھ اخلاقی نتائج بھی دیے گئے ہیں جو ان جانوروں کی کہانیوں کی علامتی معنویت پر روشنی ڈالتے ہیں۔اس مصور ایڈیشن میں چارلس فوکارڈ(Charles folkard) کی بنائی ہوئی رنگین تصاویر نے کتاب کے حسن میں بے پناہ اضافہ کر دیا ہے۔"(۱۸)

اس باب کی ایک خاص خوبی یہ ہے کہ پروفیسر صاحب نے اس میں مختلف جانوروں کی نفسیات ان کی حیرت انگیز عادات ان کے بارے میں نئی معلومات اور ان سے لیے جانے والے عجیب و غریب کاموں کے واقعات کو بڑی دلچسپی اور حقائق کے قریب تر رہتے ہوئے اظہار کی راہ دکھائی ہے۔جس سے تحریر میں ایسا فسوں پیدا ہوا ہے کہ قاری بے خود ہو کر جھوم اٹھتا ہے۔جیسے وہ چھچھوندر کے بارے میں معلومات فراہم کرتے ہوئے بتاتے ہیں :

"چھچھوندر کا تعلق بھی چوہے ہی کے خاندان سے ہے۔چھچھوندر کے جسم پر چوہے کی نسبت بڑے بال ہوتے اور اس کا منہ تھوتھنی نما ہوتا ہے۔چھچھوندر نہایت بدشکل اور بدبودار ہوتی ہے۔یہ گندی اور تاریک جگہوں پر رہتی ہے۔یہ ایک غلیظ اور بدفطرت جانور ہے۔بلی چوہے کا شکار شوق سے کرتی ہے لیکن چھچھوندر کو منہ نہیں لگاتی۔جب کوئی رذیل،بدذات اور میلا کچیلا شخص نہایت قیمتی پوشاک پہن،خوشبو لگا،ناز نخرے دکھائے تو یہ دلچسپ پھبتی کستے ہیں،"چھچھوندر کے سر میں چنبیلی کا تیل۔"(۱۹)

اس باب میں مصنف نے اپنی بات میں وزن پیدا کرنے کے لیے موقع کے مطابق اشعار لا کر اپنے شعری ذوق کا بھی اچھا ابلاغ کیا ہے مثلاً جب وہ الو کے رات بھر جاگنے کی نفسیات پر روشنی ڈالتے ہیں تو انہیں اقبال کا شعر یاد آجاتا ہے۔

معلوم نہیں ہے یہ خوشامد کہ حقیقت
کہہ دے کوئی الو کو اگر رات کا شہباز

(مشمولہ:داستانیں اور حیوانات،۱۷۲)

میر تقی میر کی ایک مثنوی "نورنامہ" کا ذکر کرتے ہوئے وہ بتاتے ہیں کہ ایک مور شاہی محل میں رانی پر جب فریفتہ ہوا تو رانی کا حسن،عشق کی آگ سے زیادہ دیر

Vol.4 No.4 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

انکاری نہ رہ سکا، اس واقعہ میں جان بھرنے کے لیے انہوں نے شعر کا کیا خوب انتخاب کیا ہے :

حسن کو بھی عشق نے آخر کیا حلقہ بگوش
رفتہ رفتہ دلبروں کے کان میں بالے پڑے

(مشمولہ: داستانیں اور حیوانات، ص ۱۷۵)

ادب کا مطالعہ اور مذہب کا علم دو مختلف معاملات ہیں ایک ادیب ضروری نہیں کہ مذہب کے بارے میں بھی صاحب مطالعہ ہو۔ لیکن جن ادبا و محققین کو اپنی مذہبی روایت و فرائض کا علم ہو ان کی تحریروں میں ایک خاص قسم کی یکتائی اور انفرادیت ضرور پیدا ہو جاتی ہے جو انہیں اپنے عہد کے دیگر قلم کاروں میں منفرد کرتی ہے۔ ہم غزل کی روایت کی ہی مثال لے لیتے ہیں سراج اورنگ آبادی، خواجہ میر درد، آتش، ظفر، شاد عظیم آبادی، اصغر گونڈوی، حالی اور اقبال کو اپنے زمانے میں جو خاص شہرت اور مرتبہ نصیب ہوا اس میں کہیں نہ کہیں مذہب سے ان کی وابستگی اور اس کی اپنے کلام میں اظہار کی کار فرمائی ضرور نظر آتی ہے۔

سعید احمد کی زیر بحث کتاب اس بات کی گواہی دیتی ہے کہ ان کے پاس نہ صرف مذہب کے حوالے سے قابل ذکر علم ہے بلکہ وہ اس پر پورا ایمان اور یقین بھی رکھتے ہیں۔ دیکھیے وہ کس طرح اسلامی حکایات کا حوالہ دیتے ہوئے اپنی گفتگو کو جاندار اور مستند بناتے ہیں:

> "خشکی کے پرندوں کا بادشاہ ہدہد ہے۔ یہ مشہور و معروف پرندہ مرغ سلیمان بھی کہلاتا ہے۔ اس داستان میں ہدہد ایک معاملہ فہم، زیرک، نیک اور دور اندیش بادشاہ کی نمائندگی کرتا ہے۔ اسلامی حکایات میں ہدہد کو ہمیشہ اچھے کردار میں پیش کیا جاتا ہے۔ فرید الدین عطار کی مثنوی منطق الطیر میں ایک ہدہد کی رہنمائی میں پرندے منازل سلوک طے کرتے ہوئے سیمرغ تک پہنچتے ہیں۔ ہدہد سے قاصد، راہنما اور بادشاہ کی علامات وابستہ ہیں۔"(۲۰)

غرض پورا باب معلومات اور دلفریبی کا مرقع ہے۔

اس کتاب کا پانچواں باب دراصل چوتھے باب کا تسلسل کہا جا سکتا ہے، جس میں سنسکرت الاصل داستانوں میں حیوانات کی علامتی حیثیت پر بات کی گئی ہے۔ توتا کہانی، بیتال پچیسی، سنگھاسن بتیسی، شکنتلا، مذہب عشق، باغ و بہار، آرائش محفل، گلزار دانش، داستان امیر حمزہ، خرد افروز اور اخوان الصفا اس پانچویں پڑاؤ کے مندرجات ہیں۔ اس میں ان داستانوں کی مکمل تفصیل، مرکزی و ثانوی کردار، قصے کا خلاصہ، اس کی انفرادیت، مافوق الفطرت عناصر کی رنگارنگی اور موضوع مقالہ یعنی حیوانات کی علامتی معنویت کو پوری توجہ اور مشاہداتی گہرائی کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ جسے ان کے رواں اسلوب نگارش، قرآنی آیات، عربی و فارسی محاورات و ضرب الامثال اور مختلف شعرا کے اشعار نے اور بھی پرکشش بنا دیا ہے۔ مثلاً وہ بیتال پچیسی کے حوالے سے بات کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "اردو کی سنسکرت الاصل داستانوں میں زبان کی لطافت اور قصے کی دلچسپی کے لحاظ سے کوئی داستاں بیتال پچیسی کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ ولا نے بیتال پچیسی میں ایسی نرم و کومل اور شیریں و مترنم زباں استعمال کی ہے، جو ہندی کہانیوں کی معاشرت اور تہذیب سے بے حد میل کھاتی ہے۔ یہ کہانیاں زبان و بیان کے بے پناہ حسن کے ساتھ ساتھ دانش و حکمت کا انمول خزانہ رکھتی ہیں۔ قصہ در قصہ کی تکنیک کو بڑی مہارت سے برتا گیا ہے۔"(۲۱)

بیتال پچیسی کے ساتھ وہ سنگھاسن بتیسی کے تناظر میں بھی دلچسپ حقائق قاری تک پہچانے میں کامیاب رہے ہیں:

> "بیتال پچیسی کی طرح سنگھاسن بتیسی کا مرکزی کردار بھی راجا بکرماجیت ہے لیکن سنگھاسن بتیسی میں کہانیوں کا راوی ایک بیتال نہیں بلکہ بتیس مختلف پتلیاں ہیں جو باری باری راجا بھوج کو راجا بکرماجیت کی شجاعت عدالت اور سخاوت کی کہانیاں سناتی ہیں۔ راجا بھوج بھی اپنی بہادری، عدل و انصاف اور پرہیز گاری میں اپنا ثانی نہیں رکھتا۔"(۲۲)

Vol.4 No.4 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

اسی طرح تحقیق کار نے شکنتلا پر بات کرتے ہوئے اس کے خلاصے کو بہت اختصار مگر کسی ابہام کے بغیر یوں بیان کیا ہے جیسے سینکڑوں پھولوں کی خوبصورتی اور خوشبو ایک گلدستے میں سمٹ آتی ہے:

> " سکنتلا کی کہانی کچھ یوں ہے کہ راجا اندر ایک رشی وسوامتر کے جوگ کو غارت کرنے کے لیے منیکا پری کو زمین پر بھیجتا ہے۔منیکا پری رشی کو دھوکا دے کر اس سے اختلاط کرتی ہے،جب وسوامتر کو حقیقت حال معلوم ہوتی ہے تو وہ منیکا کو چھوڑ کر جنگلوں میں نکل جاتا ہے۔منیکا کے پیٹ سے ایک خوبصورت بچی پیدا ہوتی ہے۔منیکا پری اس بچی کو جنگل میں اکیلا چھوڑ اندر لوک کو سدھارتی ہے۔جنگل میں اس بچی پر مختلف پرندے سایہ کیے رکھتے ہیں۔ایک اور جوگی اس کو اٹھا کے اپنے گھر لے آتا ہے۔ سکنتلا یہیں جوان ہوتی ہے،جب جوگی تیرتھ یاترا کو جاتا ہے تو اس کی عدم موجودگی میں راجا دشینت شکار کھیلتا ہوا وہاں آنکلتا ہے اور سکنتلا پر عاشق ہو جاتا ہے۔راجا، سکنتلا سے گندھیر وبیواہ رچاتا ہے۔چند دن عیش کرنے کے بعد راجا واپس چلا جاتا ہے۔ سکنتلا ایک بیٹے کو جنم دیتی ہے،جب جوگی یاترا سے واپس آتا ہے تو ماں بیٹے کو راجا کے دربار میں لے جاتا ہے۔راجا سکنتلا کو پہچاننے سے انکار کر دیتا ہے لیکن بعد میں آکاش بانی سن کر انہیں اپنا لیتا ہے۔"(۲۳)

ہمارا محدود مطالعہ صرف اتنا جانتا ہے کہ انسان ہی آپس میں تکا می ابلاغ کرتے ہیں۔لیکن داستانیں اور حیوانات کے عنوان سے یہ مقالہ ہمیں بتاتا ہے کہ حیوانات اور چرند پرند بھی اپنے مخصوص انداز میں ایک دوسرے سے گفتگو اور ابلاغی روابط رکھتے ہیں۔بلکہ سعید احمد نے اپنی اس سندی تحقیق میں کچھ ایسی داستانوں کا بھی ذکر کیا ہے کہ جس میں بعض پرندے انسانی بولیاں بولتے ملیں گے۔اگرچہ یہ داستان کا ایک مخصوص مافوق الفطرت مزاج ہے جس سے قاری کو کہانی کار اپنی گرفت میں لیتا ہے۔مگر زیر نظر محقق نے اس تخیلاتی فضا میں اپنی جادو بیانی سے حقیقت کا سحر پھونک دیا ہے۔اس حوالے سے موضوع بحث مقالہ سے چند جملے پیش خدمت ہیں:

> "ماہرین طیوریات(Ornithologists)کا خیال ہے کہ پرندے بھی آپس میں باتیں کرتے ہیں۔عالمی ادب میں بے شمار کہانیاں ایسی ہیں،جن میں حیوانات آپس میں باتیں کرتے ہیں۔کلیلہ دمنہ،منطق الطیر ایسپ کی حکایات اور جانورستان(اینمل فارم)اس کی بڑی عمدہ مثالیں ہیں۔داستانوں اور تمثیلی حیثیت سے قطع نظر حیوانی نفسیات کی تاریخ سے ایسی بہت سی مثالیں فراہم کی جاسکتی ہیں،جن میں بعض پرندوں کو انسانوں کی بولی بولتے سنا گیا ہے۔"(۲۴)

کتاب کے آخر میں ماحصل کی صورت میں پورے مقالے کا خلاصہ بھی موجود ہے جس میں فاضل محقق نے دریا کو کوزے میں بند کرنے کے مقولے کو سچ ثابت کر دکھایا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ کسی بھی سندی نوعیت کے کام کا معیار اور اہمیت اس کی کتابیات دیکھ کر بھی جانچی جاسکتی ہے۔اگر اس مفروضے کو سچ مانتے ہوئے زیر بحث کتاب کو پرکھا جائے تو محقق کی محنت،لگن،جستجو اور تلاش کی ماہرانہ صلاحیت پر پہلی ہی نظر میں ایمان لانے کو دل چاہتا ہے۔

مجموعی طور پر داستانیں اور حیوانات کے عنوان کے تحت کیے گئے اس تحقیقی کام کو جاندار اور شاندار کوشش اور تحقیق کے میدان میں نیا اضافہ کہا جاسکتا ہے۔اس حوالے سے جناب پروفیسر سعید احمد مبارک باد کے مستحق ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ سعید احمد،ڈاکٹر،داستانیں اور حیوانات،اسلام آباد:مقتدرہ قومی زبان،۲۰۱۲ء،ص:۴۲

۲۔ حامد رضا صدیقی،اردو افسانے کا مہادیو:انتظار حسین،مشمولہ:انتظار حسین:حیات و فن،مرتبہ:ڈاکٹر نعیم انیس،کولکاتا:مغربی بنگال اردو اکاڈمی،۲۰۱۷ء،ص:۳۳۹

۳۔ سعید احمد،ڈاکٹر،داستانیں اور حیوانات،ص:۴۷

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.4 No.4 2021

۴۔ ایضاً، ص:۴۹

۵۔ ایضاً، ص:۶۶

۶۔ ایضاً، ص:۷۱

۷۔ ایضاً، ص:۸۶

۸۔ آتش، حیدر علی، خواجہ، کلیات آتش، مرتبہ: سید مرتضیٰ حسین فاضل لکھنوی، لاہور: مجلس ترقی ادب، ۲۰۰۸ء، ص:۴۴۴

۹۔ سعید احمد، ڈاکٹر، داستانیں اور حیوانات، ص:۹۲

۱۰۔ ایضاً، ص:۹۸

۱۱۔ ایضاً، ص:۱۰۸

۱۲۔ ایضاً، ص:۱۰۸

۱۳۔ ایضاً، ص:۱۱۷

۱۴۔ ایضاً، ص:۱۳۶

۱۵۔ ایضاً، ص:۱۴۸

۱۶۔ ایضاً، ص:۱۴۸

۱۷۔ گیان چند جین، ڈاکٹر، تحقیق کا فن، فیصل آباد: روہی بکس، ۲۰۱۵ء، ص:۴۴

۱۸۔ سعید احمد، ڈاکٹر، داستانیں اور حیوانات، ص:۱۶۳

۱۹۔ ایضاً، ص:۱۶۶

۲۰۔ ایضاً، ص:۲۰۱۹

۲۱۔ ایضاً، ص:۱۷۹

۲۲۔ ایضاً، ص:۲۴۷

۲۳۔ ایضاً، ص:۲۳۸

۲۴۔ ایضاً، ص:۲۲۸